ڈاکٹر سیما صغیر

استاد شعبہ اردو،

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ،یو۔ پی (انڈیا)

محسنِ نسواں: نواب سلطان جہاں بیگم

Dr. Seema Sagheer

Professor, Urdu Department,

Ali Garh Muslim University, Ali Garh, U.P (India)

Nawab Jahan Begum, Feminism-Bhopal Women's Education

Mohsin-e- Naswan: Nawab Sultan Jahan Beghum

Nawab Sultan Jahan Begum of BHOPAL royal family was a learned woman of her times with a refined taste .To promote education and literature in her locality, she toiled hard. The prime objective of her struggle was to bring about betterment in the life of women .She laid the foundation of numerous educational institutions which proved to be immensely helpful in the advancement of the state of Bhopal.

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی پُر وقار عمارتوں کی شان وشوکت مسلمانوں کی گزشتہ عظمت کے ساتھ ساتھ مغل حکومت کے خاتمے کے بعد انیسویں صدی میں سرسید کے دکھائے ہوئے راستے پر ایک نئے سفر کے آغاز کی علامت بھی ہے۔تاہم علی گڑھ میں آج کی نسل شاید اس سے واقف نہیں کہ جس عظیم ادارے کی خوبصورت اور شاندار عمارتوں کے سائے تلے وہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور اپنے مستقبل کی تعمیر میں مصروف ہیں ان عمارتوں کے اینٹ گارے میں کن کن شخصیات کا خونِ جگر شامل ہے۔

سرسید تحریک سے براہ راست یا بالواسطہ افراد کے علاوہ نوابین، امراء اور رؤسا کی ایک طویل فہرست ہے جن میں ایک اہم نام سلطان جہاں بیگم کا بھی ہے۔علی گڑھ کے ان سب محسنوں کے مدبرانہ فکر و عمل کا مکمل احاطہ کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔فی الوقت ہم صرف والیٔ بھوپال سلطان جہاں بیگم کا ذکر کر رہے ہیں۔

سلطان جہاں بیگم کی ولادت ۹؍جولائی ۱۸۵۸ء میں ریاستِ بھوپال کے عالیشان قصر موتی محل میں ہوئی۔ان کی

نانی نواب سکندر بیگم نے فرمایا کہ ''یہ بچی مجھے سات بیٹوں سے زیادہ عزیز ہے''۔نانی نے ہی ان کی تعلیم وتربیت کا انتظام کیا۔والدہ شاہجہاں بیگم سے حکمرانی کے ہر طرح کے تجربات حاصل کیے۔ان کے انتقال پر رئیسہ تسلیم کی گئیں۔۱۴رجولائی ۱۹۰۱ء میں گورنر جنرل کے نمائندے میجر ہیڈ کی موجودگی میں رسم تاج پوشی ادا کی گئی اوران کے شوہر احمد علی خاں کو احتشام الملک عالی جاہ کا خطاب ملا۔سرکار عالیہ کے قابلِ قدر کارناموں میں سب سے زیادہ اہم کارنامہ تعلیم کی ترقی ہے جوان کی خصوصی توجہ کا مرکز بنی۔ریاست بھوپال میں مدرسۂ حفّاظ، مدرسۂ سکندری، مدرسۂ بلقیس، مدرسۂ سلطانیہ، مدرسۂ وکٹوریہ اور برجیسیہ کنیہ پاٹھ شالہ ان کے ذوقِ علم کی ترویج کی مشن کی نمائندگی کرتے ہیں۔۱۹۱۵ء میں انھوں نے اپنی چھوٹی بیٹی آصف جہاں بیگم کی یاد میں آصفیہ ٹیکنیکل اسکول قائم کیا۔۱۹۱۸ء میں طب یونانی کی جدید تعلیم کے لیے مدرسۂ طبیہ آصفیہ اوراس کا بے حد وسیع شفاخانہ بنوایا۔جدید طرز کے میوزیم کے ساتھ کتب خانہ حمیدیہ تعمیر کروایا۔

> نواب سلطان جہاں بیگم نے قدیم وجدید کے امتزاج سے ایک ایسا متوازن نصاب جاری کیا جومشرقی علوم کی خوبیوں کے ساتھ نئے مغربی فنون کی ضروریات پر مشتمل تھا۔تعلیمِ نسواں کے تعلق سے رسالوں کوفروغ دیااور پہلے سے قائم اشاعتی ادارے کووسیع کیا۔انھوں نے حاکمانہ اثر کواشاعتِ تعلیم کے سلسلے میں استعمال کیا اوراہل بھوپال کے جملہ طبقات کوتعلیم کی طرف مائل کرتے ہوئے ان میں خودداری کا جذبہ بھی پیدا کیا۔عورتوں کے لیے بڑے پیمانے پر تعلیم وتربیت کا انتظام کرتے ہوئے لیڈیز کلب قائم کیا۔[۱]

والیٔ بھوپال نے اردو، فارسی، عربی اور انگریزی میں دسترس حاصل کی۔شہ سواری اورنشانہ بازی سیکھی۔حسنِ تدبیر اور پھر اپنی تصانیف اور تقاریر کے ذریعے اہلِ ہند خصوصاً خواتین کی زندگی تبدیل کرنے کی بے انتہا جدوجہد کی اوراُن کوقدامت پسندی اور جہالت پر شرم دلائی۔غرض کہ اہلِ ہند خصوصاً بھوپال کوجدید تمدن کے رنگ میں رنگنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتی رہیں۔بیگم صاحبہ کواردو زبان کے فروغ سے بھی حد درجہ دلچسپی تھی۔انھوں نے ملک کے نامور ادیبوں کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی کی۔انجمن ترقی اردو اور مولوی عبدالحق کی مدد کی۔سیرت النبی کی اشاعت کا بندوبست کیا۔خود بیگم صاحبہ اپنے زمانے کی زبردست مصنفہ تھیں۔انھوں نے تینتالیس کتابیں[۲] تصنیف کیں اور جب تک حیات رہیں تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھا۔ذاتی تصانیف کے علاوہ دوسرے مصنّفین ومؤلفین کی ہرممکن مدد کی۔اس جدوجہد سے عوام میں اردو زبان، تہذیب وادب سے دلچسپی پیدا ہوئی اور ساتھ ہی ساتھ رہن سہن، خیالات اورتصورات میں بھی بڑی تبدیلی ہوئی۔نتیجتاً نئے ادب کی اشاعت میں تیزی آئی۔۱۹۱۰ء میں پرنس آف ویلز کے جلسے میں رسم ورواج اور تکلفات کے خلاف تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:

> ''مجھے ایک عرصے سے اس امر پر یقین ہے کہ اگر مسلمانوں کی تقریبات کی رسومات میں اصلاح ہوجائے تو ایک بڑی حد تک افلاس کی مصیبت دور ہوجائے گی اوران کو گناہوں اور بداخلاقیوں سے جوان رسومات کا لازمی نتیجہ ہیں نجات ملے گی''۔[۳]

محسنِ نسواں نواب سلطان جہاں نے خواتین کوترقی کے مواقع فراہم کرنے اوراپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے مارچ ۱۹۱۴ء میں ہندوستانی خواتین کی مصنوعات کی نمائش کا اہتمام کیا۔یہ طبقۂ نسواں کی تفریح کے ساتھ ساتھ سماجی، ذہنی، تعلیمی اورتہذیبی تربیت کے لیے بھی فالِ نیک تھا۔بھوپال میں سوسائٹی اور لیڈیز کلب بھی قائم کیا وہ اپنے سینے میں ایک دردمند

دل رکھتی تھیں۔ ان کی قومی ہمدردی، فیاضی اور دریادلی کے ثبوت ان کے وہ عطیات ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً مختلف تعلیمی اداروں اور انجمنوں کو دیئے۔

سرسید احمد خاں کی بھوپال آمد کے بعد علی گڑھ پر بھی ابرِ سلطانی کھل کر برسا۔ وہ اس ادارہ کو کثیر عطیات سلطانی سے نوازتی رہیں۔ کانفرنس اور کالج کے نظامِ عمل کو بہتر بتانے کے لیے آپ کو مدعو کیا گیا[۴] صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی نے محترمہ سے سائنس کالج کا سنگ بنیاد رکھنے اور سالانہ کانووکیشن میں طلباء کو نصیحت کرنے کی درخواست کی۔ اس موقع پر انھوں نے فرمایا:

> ''بلاشبہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو محض اپنی خوبصورت دیدہ زیب عمارت سے نہیں بلکہ اپنے شاندار نتائج سے دنیا کی یونیورسٹیوں میں ایک منفرد مقام حاصل ہے'' [۵]

> فی الوقت ہم صرف والیٔ بھوپال سلطان جہاں بیگم کا ذکر کر رہے ہیں۔ موصوفہ کی ہشت پہلو شخصیت کی مثال اس ترشے ہوئے ہیرے سے دی جاسکتی ہے جس کو کسی بھی طرف سے دیکھنے پر اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر دیتی ہے۔ چاہے مصنفہ کی حیثیت ہو یا سوشل ریفارمر کی، علم پروری کا ذوق ہو یا ریاست کے فرائضِ منصبی۔ تعلیم وتربیت کا شوق ہو یا ملک وقوم کی خدمت کا جذبہ۔ ان کی خدماتِ جلیلہ ہمارے دلوں میں زندہ ہیں۔ سرسید احمد خاں کو جب پہلی بار سلطان جہاں بیگم سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا تو سرسید کی دور بین نگاہوں نے یہ دیکھ لیا تھا کہ ریاستِ بھوپال سے کالج کی تعمیر میں بہت مدد مل سکتی ہے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے احباب کے ذریعے کالج کی طرف والیٔ بھوپال کی توجہ مبذول کرانے کی سعی کی جو بہت کامیاب رہی۔ سرسید کے بعد ان کے رفقاء نے بھی اس پر عمل کیا[۶]

آج کا عبداللہ گرلس کالج، سلطان جہاں کی اعانت کا مرہونِ منت ہے۔ لڑکیوں کی تعلیم کے لیے کالج اور بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر اور پھر ان کا باقاعدہ نظم ونسق۔ ایک صدی قبل اس کا تصور بھی مشکل تھا مگر شیخ محمد عبداللہ نے بیگم بھوپال کی مدد سے خواب کو حقیقت میں بدل دیا۔ وہ اظہارِ تشکر کے طور پر اس حقیقت کا اظہار 'یادرفتگاں' کے عنوان سے یوں کرتے ہیں:

> ''اس مدرسے کے مخالفت بھی بہت ہوئی لیکن بہت سے نیک دل انسان ایسے بھی گزرے ہیں جن کو شروع ہی سے اس مدرسے سے ہمدردی تھی۔ ان میں اکثر دنیا سے رخصت ہوگئے اور بعض اس وقت بہ قیدِ حیات ہیں۔ میں مدرسے کی لڑکیوں سے خواہش کرتا ہوں کہ وہ رفتگاں کے حق میں دعائے مغفرت کریں اور جو اس وقت موجود ہیں ان کا دلی شکریہ ادا کریں۔ جو دنیا سے رحلت کر گئے ہیں ان میں سب سے اول علیا حضرت ہر ہائینس بیگم صاحبہ بھوپال مرحومہ کا نام مبارک ہے۔ وہ فرقۂ نسواں کی حقیقی ہمدرد تھیں اور اس مدرسے کی بہت بڑی پشت پناہ، مربی اور محسنہ تھیں۔ ان کی ابتدائی مدد نے مدرسے کو بہت تقویت پہنچائی۔ اگر وہ شروع سے ہی دست گیری نہ فرماتیں تو مدرسے کا قائم ہونا بہت دشوار ہوتا۔ وہ تین مرتبہ تشریف لائیں اور خواتین کے بڑے بڑے جلسوں کی صدارت فرمائی اور مدرسے کا افتتاح بھی اپنے دستِ مبارک سے کیا۔ اپنی زندگی میں ہر کام میں مجھ کو مدد دینے کے لیے

تیار رہیں۔ دوسرے والیانِ ملک کے نام سفارشی خطوط بھی دیئے اور اپنی بے بہا تقریروں اور خیالات سے تعلیمِ نسواں کی اشاعت و ہمدردی فرمائی''۔ (انتخاب مضامین، جلد اول، ص:۳۳۔۳۴، ترتیب م.ندیم علیگ، ۲۰۰۴ء)

اُس وقت یہ شاید ہندوستان کی ہی نہیں بلکہ مسلم دنیا کی پہلی ایسی درس گاہ تھی جہاں لڑکیوں کی تعلیم اور رہائش کا معقول بندوبست تھا۔ پاپا میاں نے اپنے مشاہدات وتاثرات میں اس کا بار بار ذکر کیا ہے کہ مسلم شرفاء اپنی بچیوں کو تعلیم دلوانا چاہتے تھے مگر ان کے سامنے کئی دشواریاں تھیں جن میں سرفہرست پردے کا مسئلہ تھا مگر بیگم کی کاوشوں سے یہ جھجک بھی دور ہوگئی کہ بورڈنگ ہاؤس میں تمام سہولتوں کے ساتھ پردے کا بھی انتظام کیا گیا تھا۔

سلطان جہاں بیگم نے نہ صرف لڑکیوں اور لڑکوں کی بورڈنگ ہاؤس کا سنگِ بنیاد رکھا بلکہ اپنے بیٹے نواب حمید اللہ خاں کو ایم.اے.او. کالج میں داخل کرایا[۷] ان کے اس دانش ورانہ عمل سے ملک میں یہ پیغام پہنچا کہ علی گڑھ کالج میں تعلیم وتربیت کا معیاری انتظام ہے۔ اس سے مخالفتوں کا زور کم ہوا۔ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں نے بھی اپنے بچوں کا داخلہ کرانا شروع کیا۔ کالج کے پڑھے ہوئے طالب علموں کا تعلق دوسری ریاستوں سے ہوا۔ وہاں کے مختلف شعبوں میں ان کو اپنے علم و ہنر کو دکھانے اور علی گڑھ تحریک کو سمجھانے کا موقع ملا۔ اس سے ایک طرح کا سماجی، ثقافتی اور تعلیمی ربط بڑھا جو آج تک جاری وساری ہے۔ علی گڑھ کو فیض پہنچانے والے مخلصین میں یقیناً سلطان جہاں بیگم صفِ اول میں دیکھی جاسکتی ہیں۔

سلطانیہ اور نصر اللہ ہوسٹل اور منٹوسرکل کے عبید اللہ ہال کی تعمیر کا کل خرچ کے علاوہ سلطان جہاں بیگم نے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے لیے روپیہ عطا فرمایا۔ مستقل عمارت تعمیر ہوجانے سے کانفرنس کے کاموں میں بہت سہولت ہوگئی۔ اسی عمارت میں بیٹھ کر سرسید کے خواب کی تعبیر یعنی یونیورسٹی بنانے کی تمام کوششیں ہوئیں۔[۸] یہ عمارت آج بھی مرحومہ کی ایک مستقل یادگار کی صورت میں موجود ہے۔ ۱۹۲۰ء میں جب ایم.اے.او. کالج کو یونیورسٹی کا درجہ ملا تو علیا حضرت کی اعلیٰ ترین خدمات کے پیش نظر انھیں چانسلر مقرر کیا گیا۔ وہ پہلی رئیسہ اور خاتون ہیں جو مسلم یونیورسٹی کی دوبار چانسلر ہوئیں ملک وملت کی اصلاح میں لگی رہنے والی اس محسنِ نسواں کے کانووکیشن خطبات گواہ ہیں کہ وہ یہاں کے طلبہ وطالبات کو اپنی اولاد کی مانند عزیز رکھتی تھیں۔ ان کی پریشانیوں کو سنتیں تو بے چین ہوجاتی تھیں اور ان کا تدارک کرنے کی سعی کرتی تھیں۔

حکمرانی، رعایا پروری اور علم دوستی کی اس جیتی جاگتی مثال کے فیض وکرم سے صرف بھوپال اور علی گڑھ ہی نہیں ندوہ، جامعہ ملیہ، بھوپال، لاہور اور بنارس وغیرہ کے دوسرے ادارے بھی فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے پچیس سالہ دورِ حکومت میں ایسی باعمل اور بے لوث شخصیات کو جمع کرلیا تھا جو ان کے انتظامی امور کو ان کے حسبِ منشا انجام دیتے تھے۔ یہ ان کی اعلیٰ درجے کی انتظامی صلاحیتِ خداداد کا کرشمہ تھا۔ تعلیمی خدمات پر نظر کی جائے تو تعجب ہوتا ہے کہ وہ ریاست کے کاموں میں مشغول رہ کر تصنیفی ذوق کے لیے وقت نکال لیتی تھیں۔ وسیع القلبی، دوررسی اور دور بینی کی بنا پر ہی نواب سلطان جہاں بیگم بیسویں صدی میں جدید علوم وفنون خصوصاً خواتین کی تعلیم کے فروغ میں تعمیری، تعلیمی اور تخلیقی صفات کی بدولت ہر خاص وعام میں مقبول رہی ہیں۔

نواب سلطان جہاں بیگم نہ صرف بھوپال بلکہ مشرق کی وہ آخری تاجدار خاتون تھیں جن کے کارناموں پر مرد سلاطین وامراء بھی رشک کرسکتے تھے۔ ربع صدی پر مشتمل ان کا دورِ حکومت بھوپال کی تاریخ کا زریں عہد تھا۔ وہ مشرقی ومغربی تعلیم وتمدن کا ایسا سنگم تھیں جو آج مصلحین امت کا آئیڈیل ہے۔ زندگی کے آخری ایام تک وہ خواتین کو تعلیمی جہت نیز ان کے حقوق سے آشنا

کراتی رہیں۔ ۹؍جون ۱۹۲۶ء کو امور سلطنت اپنے فرزند نواب حمید اللہ خاں کے سپرد کیے اور ۱۲؍مئی ۱۹۳۰ء کو اپنے مالک حقیقی سے جاملیں۔ یہ نہ صرف ایک فرمانروائے ریاست کی موت تھی بلکہ ایک اعلیٰ درجہ کی خطیب، مصنف، مصلح قوم اور طبقہ اناث کی محسن و رہبر کی موت تھی۔ تاریخ ہند کے اوراق کو پلٹ کر دیکھیں تو مسلم خواتین میں نواب سلطان جہاں جیسی نامور مایہ ناز اور عدیم المثال خاتون ملنا مشکل ہے بالخصوص نسائی طبقہ میں وہ باعثِ صد افتخار رہیں گی۔

جو یہ سچ ہے کہ اچھے لوگ دنیا میں نہیں مرتے
تو سلطان جہاں زندہ ہیں جب تک ہے جہاں باقی

حواشی

۱ پرنسس آف ویلز کلب کا ۱۹۰۴ء میں سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ یہ ۱۹۰۵ء میں تیار ہوا لیکن اس کا باقاعدہ افتتاح ۱۹۰۸ء میں لیڈی منٹو کے ہاتھوں ہوا۔

۲

نام کتاب	سن اشاعت	پبلشر
۱۔ تزک سلطانی	۱۳۲۸ھ/۱۹۰۰ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۲۔ گوہر اقبال	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۳۔ ہدایات سلطانی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۴۔ خطبات سلطانی (حصہ اول)	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۵۔ ڈومیسٹک اکونومی	۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء	مطبع مفید عام، آگرہ
۶۔ اختر اقبال	۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء	مطبع مفید عام، آگرہ
۷۔ حیات شاہجہانی	۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء	مطبع مفید عام، آگرہ
۸۔ تذکرہ باقی	۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء	مطبع سلطانی، دارالاقبال، ریاست بھوپال
۹۔ ہدیۃ الزوجین (خانہ داری کا پہلا حصہ)	۱۳۳۳ھ/۱۹۱۵ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۱۰۔ تندرستی	۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۱۱۔ حفظانِ صحت	۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۱۲۔ معیشت خانہ داری دو حصے	۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۱۳۔ معاشرت کا ذکر مبارک	۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
	ایجوکیشنل کانفرنس، علی گڑھ (طبع ثانی)	
۱۴۔ نٹنگ سوئٹر بننے کا پہلا رسالہ	۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء	مطبع ریاست بھوپال
۱۵۔ حیات قدسی	۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۱۶۔ سبیل الجنان	۱۳۳۵ھ/۱۹۱۷ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۱۷۔ روضۃ الریاحین (سفرنامہ حجاز)	۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۱۸۔ عفت المسلمات	۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء	مفید عام اسٹیم پریس، آگرہ
۱۹۔ سلک شہوار	۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء	مطبع انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ کالج

۲۰۔ مقصدازدواج	۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۲۱۔ سیرت مصطفیٰ	۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۲۲۔ بچوں کی پرورش	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء	مفید عام اسٹیم پریس، آگرہ
۲۳۔ فرائض النساء	۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۲۴۔ رہبر نسواں حصہ اول	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۲۵۔ اسلامیات	۱۳۴۰ھ/۱۹۲۲ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۲۶۔ ہدایات باغبانی	۱۳۴۱ھ/۱۹۲۳ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۲۷۔ اخلاق کی پہلی کتاب	۱۳۴۲ھ/۱۹۲۴ء	مطبع شمسی پریس، آگرہ
۲۸۔ اخلاق کی دوسری کتاب	۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء	مطبع شمسی پریس، آگرہ
۲۹۔ اخلاق کی تیسری و چوتھی کتاب	۱۳۴۳ھ/۱۹۲۵ء	مطبع شمسی پریس، آگرہ
۳۰۔ تربیت الاطفال	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء	مطبع شمسی پریس، آگرہ
۳۱۔ ہدیۃ الزوجین (طبع ثانی)	۱۳۴۶ھ/۱۹۲۸ء	مطبع شمسی پریس، آگرہ
۳۲۔ حیات سکندری	۱۳۴۸ھ/۱۹۳۰ء	شمسی پریس، آگرہ
۳۳۔ فلسفہ اخلاق	۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۳۴۔ توقعات واوامر	۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء	مطبع سلطانی، ریاست بھوپال
۳۵۔ مطبخ کنگ جارج	۱۳۴۹ھ/۱۹۳۱ء	شمسی پریس، آگرہ
۳۶۔ ہدایات تیمارداری	تاریخ سنِ اشاعت و مطبع درج نہیں	
۳۷۔ باغ عجیب تین حصے	تاریخ سنِ اشاعت و مطبع درج نہیں	
۳۸۔ سیاحت سلطانی	تاریخ سنِ اشاعت و مطبع درج نہیں	
۳۹۔ افضال الرحمٰن	تاریخ سنِ اشاعت و مطبع درج نہیں	
۴۰۔ مدارج القرآن	(نواب سلطان جہاں بیگم کی فارسی تصنیف کا اردو میں ترجمہ کیا)	
۴۱۔ آئین سکندری	درج نہیں	حمیدیہ آرٹ پریس، بھوپال
۴۲۔ تہذیب نسواں	درج نہیں	مطبع مفید عام، آگرہ
۴۳۔ پردہ	تاریخ سنِ اشاعت و مطبع درج نہیں	

۳ مسلم گرلس کالج کے مختصر تاریخی حالات، از شیخ عبداللہ، مشمولہ انتخاب مضامین شیخ محمد عبداللہ، مرتبہ: م.ندیم علیگ/محمد قاسم صدیقی، ۲۰۰۴ء

۴ ۵؍دسمبر ۱۹۱۱ء کو علی گڑھ میں تعلیم نسواں کے موضوع پر منعقد ہونے والے جلسے کی صدارت فرمائی جس میں سروجنی نائیڈو اور پنڈت سرلا دیوی بھی شریک ہوئیں۔ اسی سرزمین پر ۱۹۱۴ء میں لڑکیوں کے اسکول کا افتتاح کیا اور ان کے لیے بورڈنگ ہاؤس کا سنگ بنیاد رکھا (مونوگراف، بیگم سلطان جہاں، این سی پی یو ایل، نئی دہلی)

۵ اس شاندار تقریب میں ملک کے مختلف صوبوں سے خواتین نے شرکت کی اور بہت دنوں تک ایک جشن کا ماحول رہا۔ نواب سلطان جہاں کو اس موقع پر سپاس نامہ پیش کیا گیا جس کے جواب میں علیا حضرت نے ایک پُر مغز تقریر کی۔ اخبارات اور رسائل میں اس تقریب کا نہ صرف بہت دنوں تک چرچا رہا بلکہ اس کے دوررس نتائج بھی برآمد ہوئے۔ رفتہ رفتہ مسلم شرفا کے خاندانوں نے اپنی بچیوں کو یہاں داخل کرایا۔ تقریب کی مکمل روداد رسالہ 'خاتون' ماہ فروری مارچ ۱۹۱۴ء میں درج ہے۔

۶، ۷، ۸ بھوپال اور والیانِ بھوپال، پروفیسر صغیر افراہیم (نواب سلطان جہاں بیگم: حیات و خدمات، مختصر تعارف، مرتبہ: ڈاکٹر سیما صغیر، ص: ۳ تا ۵) مارچ ۲۰۱۳ء